شہید ہندؒ

(از جناب ملک ابویحییٰ امام خانصاحب نوشہروی)
مؤلف تراجم علمائے حدیث ہند

سلطنت مغلیہ کے زوال سے پہلے بھی ملک میں اسلام کو وہ ترفع نصیب نہ تھا جسے اسلام کی حقیقی شان سے تعبیر کیا جاسکے جس کی وجہ بہت کچھ مسلسل ملکی جنگیں تھیں۔ اور کچھ شہنشاہ جلال الدین اکبر کا طرز حکومت جس سے ان کا منشا ہر مذہب و ملت کو اپنی ہی ذات سے مانوس رکھنا تھا۔ اگر اکبر چاہتے تو اس کے بغیر بھی ملک کا اعتماد عام حاصل کر سکتے تھے۔ آخر اکبر کی اس روش کے نتائج غازی عالمگیر علیہ الرحمہ کے دور حکومت میں نمودار ہوئے۔ جنھیں ملکی جنگوں کیلئے اپنی زندگی وقف کرنا پڑی۔ سیواجی اور سکھوں کی مسلسل سرکشی۔ نے اورنگ زیب کو ہمہ وقت مصروف پیکار رکھا۔ ان دونوں جماعتوں کی یہ تمام جدوجہد اس قسم کی تھی جس قسم کی سعی آج کل آریہ سماج سے نظام دکن کے خلاف ظہور میں آرہی ہے۔ محض ہندوؤں کے فرضی حقوق کے حاصل کرنے کی آڑ میں پُرامن حیدرآباد اور اس کے نیک دل حکمراں کے خلاف طرح طرح کے حیلوں اور سازشوں سے محاذ جنگ قائم کر دیا گیا ہے تا آنکہ عالمگیر کی تمام عمر انہی مہربانوں کیلئے وقف ہوگئی اور اورنگ زیب کی رحلت کے بعد زوال حکومت جو شروع ہوا۔ تو پھر حکومت کا اونٹ کسی کروٹ نہ بیٹھ سکا۔

نام نہاد صوفیہ اور فقرا جو باطناً شیعہ تھے۔ مذہبی طور پر مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کے ٹھیکہ دار تھے۔ جس کے نتائج میں عوام نے اسلام کی ظاہریت یعنی نصوص کو چھوڑ کر رسوم کو اختیار کر لیا۔ قرآن اور سنت کے نام بُھلا دیئے۔ اشخاص پرستی۔ پیر پرستی۔ قبروں کی پوجا۔ تعزیوں کا وجوب شعار دین بن گیا۔ جن سے جُبن۔ نامردی پیدا ہوگئی اور اجتماعیت و جہاد سب کچھ رخصت ہوگئے۔

شیعی مشن کھل کھیلا۔ لوگوں کے دلوں میں اپنے ائمہ کی عصمت و برتری کا سکہ جما دیا۔ اور یہ جادو اس حد تک موثر ہوا کہ ابھی تک ہندوستان کے مسلمان اس آسیب سے مخلصی حاصل نہیں کر سکے۔ اہل سنت کہلانے والے مسلمانوں کی عزاداری اس پر گواہ ہے کہ محرم میں کس سج دھج سے یہ حضرات (اہلسنت) شیعوں کے دوش بدوش تعزیہ پرستی۔ تعزیہ سازی۔ سینہ کوبی اور شیون و بکا میں مصروف نظر آتے ہیں۔

سلطنت مغلیہ کے آخری دور حکومت میں اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں حکومت کا نام صرف کاغذوں پر تھا۔ ورنہ کمپنی اپنا تسلط و عمل ملک پر کر چکی تھی۔ البتہ صوبہ پنجاب میں ابھی تک رنجیت سنگھ کی حکومت قائم تھی۔ جس کے بل بوتے پر سکھ سورما اسلام کے خلاف تُلے بیٹھے تھے۔ ان سورمیوں کی اسلام سے دشمنی اسوقت کیلئے نہ تھی بلکہ یہ تو ہمیشہ کیلئے ان کا اصل دین ہو چکا ہے۔ چنانچہ اب بھی جہاں جہاں ان کا دور دورہ ہے مسلمانوں کی ایذادہی میں ان کو وہی لطف حاصل ہوتا ہے۔ اسوقت پنجاب ہی میں لاتعداد مقام ہیں۔ جہاں اذان تک کی بندش ہے۔ چنانچہ قصبہ راجہ جنگ کا قضیہ تو روزمرہ اخباروں میں آتا ہے یہاں سکھوں کی زمینداری ہے۔ پھر اذان و تکبیر کیسے ہو سکتی ہے!

سکھوں نے اس غرور و نخوت میں پنجاب میں اسلام کو کرپانوں سے چھیدنا شروع کیا۔ اذانوں کا تو گیا ذکر۔ مسجدوں کو ان سورماؤں نے اصطبل بنالیا۔ مسلمانوں کی عزت، ان کے حرم کی عصمت، ان کی دولت کی حفاظت، عزت کی ضمانت ہر چیز پر سکھوں کا قبضۂ مخالفانہ تھا۔ یہی دور شہید ہند جناب سیدنا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ (دہلوی) کے ظہور کا ہے۔

دہلی میں ایک دینی سلطنت حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ محدث علیہ الرحمۃ کی تھی جن کے وفور علم۔ رفعتِ اجتہاد۔ فقاہت۔ محدثیت تجدید دین اور سب سے بالاتر ثقاہت و عدالت کا چرچا اسوقت سے لیکر اب تک تمام انتہائے عالم میں مسلّم ہے۔ شہید ہند ؒ ان بزرگوار (حضرت حجۃ اللہ) کے پوتے ہیں۔ انھوں نے ہوش سنبھالا تو جملہ علوم مروجہ پڑھے۔ سن رشد پر پہنچے۔ تو سیاست وقت کا مطالعہ کیا۔ علمی اعتبار سے وہ کتابیں لکھیں جن سے ان کی اصابت فکر کے سامنے سب کو سر جھکانا پڑا۔ تقویۃ الایمان ؒ وہ مشہور کتاب ہے جسکی اشاعت لاکھوں سے متجاوز ہے۔ خلد آشیاں شہید ہند نے نطق و گویائی سے ہندوستان کو جو فائدہ پہنچایا اس کی تعریف و توثیق میں کتابوں کے دفتر بھرے ہوئے ہیں۔

شہید علیہ الرحمۃ کی وعظ و تذکیر محراب و منبر کی پابند نہ تھی بلکہ ایسا تو ہوا ہی نہ ہوگا کہ آپ نے کبھی منبر پر وعظ فرمایا ہو۔ دہلی کا ہر گلی کوچہ ان کے لئے منبر تھا۔ جہاں کھڑے ہوگئے حلقہ بن گیا۔ جیب سے حمائل شریف نکالی اور توحید کے نغمے شروع کر دیئے۔ لوگ سن رہے ہیں۔ اور سر مستِ سخن ہو کر شرک سے توبہ کر رہے ہیں۔ شاید ہندوستان میں ہی ایک واعظ ایسے ہوئے ہیں جن کی تذکیر و نصیحت رنڈیوں تک کیلئے جاری تھی اور جن کی ہدایت سے متاثر ہو کر یہ گم کردہ راہ طائفہ حلقہ بگوش توحید ہوگیا۔ معاصی کا قلادہ گلے سے اتارا۔ اور نغمۂ توحید کو آویزۂ گوش بنایا۔ روایت ہے کہ آپ کے وعظوں سے ہدایت یافتہ رنڈیوں میں سے اکثروں نے نکاح کرلئے اور ایک نیک بخت خاتون جہاد میں شریک حال ہو کر غازیوں کے گھوڑوں کیلئے دانہ دَلا کرتیں، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے۔

جب سیدنا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے سیاست اسلام کا مطالعہ کیا۔ تو اسوقت ایک طرف مسلمان عقائد کے زوال میں مبتلا تھے تو ادھر پنجاب کے مسلمان سکھوں کے جور و طغیان سے پریشان حال۔ دہلی میں پے بہ پے ان مظالم کی خبریں آتیں۔ علما اور صوفیہ کو اپنی مسندوں اور تکیوں کی فکر سے مخلصی نہ تھی جیسا کہ ان دونوں فرقوں کا اب بھی یہ حال ہے۔ مسلمان ہر لحاظ سے رو بہ زوال ہیں۔ سیاست سے نابلد۔ تمدن سے بے بہرہ۔ دولت سے تہی مایہ علوم سے خالی الذہن۔ مگر ہمارے یہ رہبران علم دروحانیت ہیں کہ گویا ان کے کانوں تک یہ اخبار پہنچتے ہی نہیں۔

یہی حال اسوقت بھی تھا۔ اول تو پنجاب ہی میں علما اور صوفیہ کی کیا کمی تھی۔ خصوصاً آخر الذکر جماعت جسکی سرفرازی میں پنجاب مشہور عالم ہے۔ ہر شہر میں متعدد خانقاہیں۔ سجادہ نشین۔ پیر صاحب۔ اور شاہ جی موجود ہیں۔ عرس ہوتے ہیں۔ ہزاروں مسلمان نذریں پیش کرتے ہیں۔ قبروں کی نیازیں علیحدہ۔ پیر صاحب زیادہ سے زیادہ اتنا کرم فرماتے ہیں کہ عرس کے روز دیوان خاص میں ذرا دیر کیلئے تشریف لاکر زائرین کو دیدار سے مسرور فرما جاتے ہیں۔ مگر اسلام جس کے نام پر یہ رجھا رچار رکھی ہے اس ابتذال تک آپہنچا۔ اور ان سجادہ نشینوں کو خبر تک نہیں۔ ان عرسوں اور میلوں میں کبھی وعظ و ارشاد نہیں ہوتا۔ بلکہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس سے تو پیر صاحب کی پیری کا عصا ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔

اُسوقت دہلی میں بھی علما کی کمی نہ تھی۔ اس شہر کے اندر و باہر بیشمار مقبرے اور قبے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اسی دور کی یادگار ہیں جبکہ مسلمانوں میں ذہنی ابتذال آچکا تھا۔ سلطنت مغلیہ کا چراغ ٹمٹمانے تک پہنچ گیا تھا۔ پنجاب کے مسلمان سکھوں کے ہاتھوں مرتد ہونے کے قریب آرہے تھے۔ مگر نہ تو پنجاب کے علما و زہاد میں سے کسی نے مسلمانوں کی امداد و مخلصی کو شعار دین سمجھا۔ اور نہ دہلی کے ہی کسی عالم یا صوفی نے اپنے نام لیواؤں کے اس درد و کرب کو محسوس کیا ؎

تمہیں آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام — تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنے

آخر مسلمانوں کی اس ذلت اور دربدری کا درد حجۃ اللہ شاہ ولی اللہؒ دہلوی کے نامور پوتے مولانا محمد اسمٰعیلؒ کے دل میں اٹھا وہ اس درد کو لیکر سید احمد (حضرت امیر المومنین) کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ امیر الوقت نے اس درد کو دیکھکر اس کا تجزیہ کیا۔ اور ایک ایک جُز کو سراپا درد پایا۔ خود بھی درد بن گئے۔ ہر بُن مو سے اس درد کا شیون بلند ہوا۔ اور شاہ اسمٰعیلؒ تو اس درد کے حامل ہی تھے۔ وہی یہ جنس گرانمایہ لیکر اپنے مرشد جہاد (طریقت نہیں) کی خدمت میں پہنچے تھے۔ دونوں بیقرار ہو کر تڑپنے لگے۔ کسی پہلو چین نہ مل سکا۔ مرشد نے بریلی کو خیرباد، مرید نے دہلی کو الوداع پکارا۔ صوبہ صوبہ شہر بشہر قریہ بہ قریہ اسے لئے لئے پھرے۔ جہاں گئے قبول عام نے استقبال کیا جس نے سنا سراپا درد بن گیا۔ اور کرب و بلا سے تڑپنے لگا۔ مرشد کی متابعت کے بغیر کوئی مداوا نظر نہ آیا۔ گروہ کے گروہ دائیں بائیں آگے پیچھے چلے جارہے ہیں۔ ان کا داعیہ یہ ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں کو اس درد سے مخلصی دلائیں جو ہمارے لئے بھی موجب کرب بن گیا ہے۔ پھر کیا گذری؟ ؎

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا — ویاتیک بالاخبار من لم تزود

(باقی)

بہارِ نو

(از جناب ضیاء الدین صاحب ضیا الہ آبادی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

"محدث" نے بہارِ نو کا مژدہ پھر سنایا ہے — گلستانِ صحافت پر نیا غنچہ کھلایا ہے
معطر ہے دماغ اہل دانش پھر نئے سر سے — سبھی کو بوئے عنبر بیز نے بیخود بنایا ہے
تمنائی نہ کیوں ہو طالب علم و ادب ہر دم — خزانہ علم و دانش کا عجب اس نے لٹایا ہے
روانی قابلِ تحسیں معانی دید کے لائق — اسی نے مصطفیٰ کے دین کا دریا بہایا ہے
وہ جس نے ظلمتوں کو نور سے یکسر بدل ڈالا — وہ جس نے کفر کے خرمن کو خاکستر بنایا ہے
وہ جس نے حسن خلقی کے سبق سب کو دیئے کیا کیا — وہ جس نے خدمت اسلام کا بیڑا اٹھایا ہے
وہ جس کا حُسن ہے بزم جہاں میں نادر و یکتا — وہ اِن رعنائیوں کے ساتھ ہم تک آج آیا ہے
نہ پوچھو اسکے ہر مضمون کی شوکت و عظمت کو — کہ دنیائے صحافت میں بہت اعزاز پایا ہے

بیاں اشعار میں کیا ہو ادا ہو نظم میں کیونکر
ضیا رتبہ "محدث" کا جو قدرت نے بڑھایا ہے